عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

## اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ/ستمبر ۲۰۰۷ء

RegNo.P476

جلد:ششم

شمارہ: 1

## فہرست



فی شمارہ: -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک: -/180روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای-میل:>>> mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

physiologist72@yahoo.com

ویب سائٹ: www.iaa.org.pk

# بیانِ جمعہ

(ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہ)

خطبہ ماثورہ:

محترم بھائیو اور دوستو! یہ دنیا امتحان گاہ ہے یہاں پر بھیجا ہی اس لئے ہے کہ یہاں پر امتحان ہوگا آزمائش ہوگی، جانچا جائے گا۔ آدمی اپنے عمل سے اللہ کے ماننے کا اور وفا کا ثبوت پیش کرے گا اور اس پر اس کی کامیابی ہوگی۔ آزمائش ضرور آئے گی۔ سب سے زیادہ مصیبتیں اور بلائیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر آتی ہیں۔ **ان اشد الناس بلاءً الانبیاءَ ثم الامثل فالامثل** پھر اُن کے بعد جو افضل ہوں، پھر اُن کے بعد جو افضل ہوں۔ حضور ﷺ تشریف فرما تھے جبرائیلؑ آئے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ فلاں سرزمین پر آپ کے نواسے کو شہید کیا جائے گا اور وہاں کی مٹی بھی لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے دی۔ حضرت علیؓ جنگِ صفین کے موقع پر کربلا سے گزر رہے تھے تو وہاں انہوں نے اُتر کر نماز پڑھی اور کہا کہ یہ وہ سرزمین ہے جہاں صحابہ کے بعد افضل ترین شہداء گریں گے۔ حضورؐ پر سب سے زیادہ بلائیں اور آزمائشیں آئیں پھر آپ کے بعد آپ کے اہلِ بیت پر آئیں اور بظاہر تو یہ آزمائش نظر آتی ہیں تکلیف اور مصیبت نظر آتی ہیں لیکن اندر سے یہ تو اللہ کا قرب دلانے والی چیز ہوتی ہے، اس وجہ سے جو اللہ والے ہوتے ہیں۔ وہ مصیبت پر اس طرح پریشان اور بے چین نہیں ہورہے ہوتے، بوکھلا نہیں ہورہے ہوتے جیسے کہ ہم لوگ ہوتے ہیں۔ جس وقت کاکول کی ٹریننگ ہوتی ہے۔ دسمبر کے مہینے میں رات کے بارہ بجے سب کو نکالتے ہیں۔ پھر ٹھنڈے پانی کے تالاب میں نکر پہن کر چھلانگیں لگانے کو کہتے ہیں، چھلانگیں لگواتے ہیں۔ پھر نکالتے ہیں۔ ورزش کراتے ہیں یہاں تک کہ پسینہ نکل آئے۔ پھر کہتے ہیں جاکر سو جاؤ۔ ہمارا ایک برخوردار ہے اُس نے کہا بارہ بجے ہمیں نکالا، تالاب میں چھلانگیں لگوائیں اور باہر نکالا، ورزش کرائی یہاں تک کہ پسینہ نکالا۔ پھر کہا جاکر سو جاؤ صبح اُٹھے اتنے تروتازہ تھے کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ دیکھنے والا آدمی تو سوچتا ہے پانی میں گرا رہے ہیں، دوڑا رہے ہیں۔ اچھی خاصی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ ایک ورزش کاکول والوں کی یرموک ہے یہ کوئی ستائیس میل کی دوڑ ہے۔ اور ایک ہے دوڑ کوئی ایک کلومیٹر جس کو (cover) کرنا ہوتا ہے دس منٹ میں۔ دیکھنے والا آدمی کہے گا بڑی مصیبتوں میں آدمی کو ڈالا ہوا ہے اور کوئی خیر خواہ کہے کہ اس کو اس مصیبت سے نکال دیتے ہیں تو کیڈٹ سمجھے گا کہ یہ تو میرا بدخواہ ہے، خیر خواہ نہیں ہے اس

مصیبت میں تو ہم نے اپنے آپ کو بڑی کوشش سے ڈلوایا ہے اور اِس مصیبت کا تو ہم لطف اُٹھا رہے ہیں کیوں کہ اس کے بعد ہمیں بہت بڑے درجے ملنے والے ہیں، افسریاں ملنے والی ہیں لہٰذا دیکھنے والے کیلئے وہ تکلیف ہے اور جس پر آئی ہوئی ہے اُس کیلئے راحت ہے۔ اُس کیلئے تکلیف نہیں ہے بلکہ اس سے وہ خوشی اور خوش گواری محسوس کر رہا ہے کہ اس کے بعد ہمارے عہدے ہیں اور ترقیاں ہیں۔ تیسوے پارے میں ایک واقعہ ہے سورہ البروج میں! وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ . وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ . وَشَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ . قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ۔ قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں۔ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ۔ وعدے والے دن کے۔ وَشَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ۔ یہ بھی دو دن ہیں جمعہ کا اور عید کا دن اور قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ۔ اصحاب الخدود کا عجیب واقعہ ہے، ایک بادشاہ تھا اُس کا ایک جادوگر تھا وہ جادوگر اُس کیلئے جادو وغیرہ کرتا رہتا تھا اور اُس کے نتیجے میں اُس کی حکومت چلتی تھی جب یہ جادوگر بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں تو اتنا بوڑھا ہوگیا ہوں کہ اب میرا وقت تھوڑا رہ گیا ہے تم اگر ایک ہوشیار سمجھدار لڑکا میرے حوالے کرو تو میں اپنا سارا علم اُس کو سکھا دوں۔ میرے بعد تمہارا کام چلتا رہے گا اُس نے اپنی مملکت میں سے نیک، سمجھدار، ہوشیار لڑکے کو لے کر اِس کے حوالے کیا۔ وہ جادوگر کے پاس جادو سیکھنے کیلئے گیا۔ راستہ میں ایک پادری کا عبادت خانہ تھا۔ اُس زمانے میں صحیح مذہب عیسائیت تھا اور اِس کے بڑے عبادت گزار، اللہ والے پادری ہوتے تھے۔ اُس نے پادری کو دیکھا اور اُس کو پسند آ گیا یہ وہاں ٹھہرا۔ پادری نے کچھ دین کی باتیں، آخرت کی باتیں بتائیں لڑکے کو بڑا لطف آیا۔ جادوگر کے پاس جانا تو بادشاہ کی طرف سے مقرر تھا وہ تو اُس کی ڈیوٹی تھی تنخواہ تھی، جبری جانا پڑتا تھا لیکن اِس کا دل اس اللہ والے کے ساتھ لگ گیا اور اُس سے اُس نے اللہ کے تعلق والے اعمال، آخرت والے اعمال اور روحانیت والی ترتیب سیکھ لی۔ پادری کے پاس بیٹھنے میں دیر ہو جاتی اُس کو جادوگر کہتا تو دیر سے کیوں آیا تو وہ کچھ نہ کچھ کہہ کر اپنے آپ کو اُس سے چھڑا لیتا۔ یہاں تک کہ ان اللہ والوں کے پاس رہتے رہتے یہ صاحبِ کرامت ہوگیا۔ ایک دفعہ ایک عورت نابینا تھی اُس نے اُس کے آگے فریاد کی میں نابینا ہوں آنکھوں سے اندھی ہوں مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اِس نے اُس کیلئے دعا مانگی۔ اس کی دعا مانگنے سے وہ عورت بینا ہوگئی آنکھیں روشن ہوگئی۔ بادشاہ کو پتہ چلا تو بہت خوش ہوا کہ اُو ہو یہ تو جادوگر سے بھی بہت آگے نکلا۔ پھر کسی اور آدمی کو کوئی مسئلہ ہوا اُس نے اِن سے دعا کروائی، دعا کی، اس کا مسئلہ بھی حل ہوگیا۔ وہ اطلاع بادشاہ کو پہنچی بڑا متاثر ہوا کہ یہ تو اپنے جادوگر اُستاد سے بھی آگے نکل گیا۔ جادوگر استاد کو

جب پتہ چلا اُس نے کہا اُوھو بادشاہ سلامت اِس لڑکے نے میرا علم نہیں سیکھا۔اِس نے تو اُس اللہ والے پادری کا علم سیکھ لیا ہے۔جن اللہ والوں، دین دار پادریوں کو آپ ختم کرنا چاہتے ہیں، یہ تو اُن کے ہاتھ کا آدمی بن گیا ہے۔ بادشاہوں کا جذبہ ہوتا ہے کہ فسق وفجور، گناہ، بدکاری پر کوئی پابندی نہ ہو۔اللہ والے اِس کو روکتے ہیں۔سبحان اللہ! یحیٰؑ علیہ السلام پیغمبر گزرے ہیں زکریا علیہ السلام کے صاحبزادے۔یحیٰ علیہ السلام شہید ہوئے ہیں۔ان کے زمانے کے بادشاہ نے اپنی بیٹی سے شادی کرلی۔بیوی جب بوڑھی ہوئی اُس نے مارے اِس ڈر کے کہ کوئی عورت میرے گھر نہ آجائے، خاوند کو تیار کر کے بیٹی سے شادی کروادی۔یحیٰ علیہ السلام نے روکا اور کہا یہ غلط کر رہا ہے۔بادشاہوں کے پاس تو طاقت ہوتی ہے، اسلحہ ہوتا ہے، فوجیں ہوتی ہیں۔اُس نے آدمی بھیجے تلوار ماری اور شہید کردیا۔اُن کا سر زمین پر گرتا ہوا کہہ رہا تھا، تو نے ظلم کیا ہے تو نے غلط کیا ہے، تو نے ظلم کیا ہے تو نے غلط کیا ہے، تو نے ظلم کیا ہے تو نے غلط کیا ہے اور خون اُن کا دھارے مارتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ تو نے غلط کیا ہے تو نے ظلم کیا ہے، تو نے غلط کیا ہے تو نے ظلم کیا ہے۔بہرحال شہادت اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو دی اور مملکت اللہ تعالیٰ نے اُس بادشاہ کو دے دی جس نے بیٹی سے شادی کی ہوئی تھی۔سبحان اللہ! حکومت اللہ نے یزید کو دی، شہادت اللہ نے امام حسینؓ کو دی۔تو درجے ہیں، آدمی اپنے خاص بندوں کو خاص چیز دیا کرتا ہے۔تو خیر بادشاہ (اصحاب اخدود والا واقعہ) کو پتہ چلا تو اس نے کہا بجائے اِس کے کہ میں اس کو پکڑوں اور سختی کروں اور لوگوں کے سامنے یہ بات آجائے چپکے سے اِس کو مار کر دفن کر کے ختم کرنا چاہیے تاکہ پتہ ہی نہ چل سکے کہ کون تھا کون نہیں تھا۔یہ بھی طریقہ ہوتا ہے بادشاہوں کا، ناپید کردینا۔تو اُس نے اِس لڑکے کو بھیجا ایک پہاڑی پر لوگوں کے ساتھ کہ جب پہاڑی پر اوپر چڑھ جائے تو وہاں سے دھکا دے دینا بس وہاں سے گر کر لُڑھک کر مر جائے گا اور جان چھوٹ جائے گی۔جب یہ پہاڑی پر چڑھے تو پہاڑی ایسے ہلی یا کوئی زلزلہ ہوا، ساتھ جو لوگ گئے وہ تو مر گئے اور یہ زندہ سلامت واپس آگیا۔بادشاہ نے کہا یہ تو زندہ سلامت آگیا، اب کیا کریں؟ اب اُس کو ایک کشتی میں بٹھایا اپنے آدمیوں کے ساتھ اور کہا کہ جب کشتی دریا کے درمیان میں پہنچے تو اِس کو ڈبودینا، کشتی جب درمیان میں پہنچی اور وہ ڈبونے لگے تو وہ سب تو ڈوب گئے اور یہ بچ کر آگیا۔بادشاہ حیران ہے کہ مصیبت گلے پڑگئی ہے، ماریں تو مرتا نہیں ہے اور ترتیب، پالیسی ہمارے خلاف ہے۔ہماری ترتیب لادینی ہے اِس کی دینی ہے۔آخر اس اللہ والے نوجوان کو بشارت ہوگئی کہ آپ کا کام مکمل ہوگیا اور اب آپ کو ہم اپنے پاس بلاتے ہیں اور شہادت کا اعزاز بخشتے

ہیں ۔کیوں کہ کام مکمل ہوگیا۔ اُس نے بادشاہ سے کہا اے بادشاہ ایک طریقے سے مجھ سے جان چھڑا سکتے ہو کہ ایک میدان میں سب لوگوں کو جمع کرواور مجھے ایک جگہ کھڑا کرواور ایک آدمی تیر لے کر آئے اور تیر پر یہ پڑھے ''بـاسـمِ رب هـذا الغلام '' میں تیر مارتا ہوں اِس لڑکے کو اِس لڑکے کے رب کے نام پر۔اُن کو کھڑا کیا گیا۔ آدمی تیر لے کر آیا اور کہا ''بـاسـمِ رب هـذا الغلام'' اُس نے تیر چھوڑا،اُن کی پیشانی میں لگا، گرے اور شہید ہوگئے۔ پہلے سے تبلیغ کا کام لوگوں میں کر رہے تھے،ایمان آخرت کی باتیں کر رہے تھے،دین کی باتیں چلا رہے تھے جتنا مجمع آیا تھا سب نے کھڑے ہوکر کہا ''آمـنـا بـر ب هـذا الغلام'' ہم اس اللہ کے بندے کے رب پر ایمان لے آئے۔بادشاہ کو اتنا غصہ چڑھا کہ حد سے باہر،اس کا تو خیال تھا کہ اِس کو ماریں گے تو اِس کی دینی ترتیب ختم ہوجائے گی اور ہماری لادینیت اور روشن خیالی چالو ہوجائے گی۔سارے لوگ جن کو میں ڈرانے کیلئے لایا تھا وہ تو اِس پر ایمان لے آئے۔جس چیز کو میں روکنا چاہتا تھا وہ تو ایسے پھیل گئی کہ اب اُس کے پھیلنے کی کوئی حد نہیں ہے۔ساری پبلک بیک وقت ایک آواز کر کے کہہ اُٹھی کہ ہم اس کے رب پر ایمان لے آئے۔اب کیا کریں؟ عموماً بے وقوف آدمی سختی سے کُچلتا ہے۔سختی بے وقوف آدمی کی علامت ہوتی ہے۔سختی ایک دو بار چلتی ہے پھر ہر عمل کا ردِعمل ہوتا ہے۔ردِعمل اتنا سخت ہوتا ہے کہ اُس کو پھر ہضم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔دوسری جنگِ عظیم میں ہٹلر سختی کی پالیسی کو لے کر آگے بڑھا،دھواں دار طوفان کی طرح بڑھ رہا تھا۔آسٹریا فتح،اٹلی فتح اِدھر فرانس فتح اِدھر یہ جگہ فتح وہ جگہ فتح دو دو تین تین سو جہاز اُٹھتے ہیں بمباری کرتے ہیں جا کر برطانیہ پر۔ایسے پھیل رہا ہے۔ایسا کُشت خون اُس نے مچایا ہوا ہے کہ حد نہیں۔لیکن سمجھدار دانشور جن کو دنیا کی تہذیبوں کا انسانیت کی تاریخ کا تجربہ ہوتا ہے اُن کو اندازہ ہوتا ہے کہ بلبلہ جھٹ سے اُبھرتا ہے اور پھٹ کر بیٹھ جاتا ہے۔تو جس دھواں دار ترتیب پر ہٹلر چلا جتنی تیزی سے چلا اُتنی ہی تیزی سے گرا، یہاں تک کہ اپنی جان کو چھپانے کی جگہ نہیں پا رہا تھا آخر کمبل لپیٹا اپنے گرد اور تیل اُس پر گرا کر اپنے کو آگ لگادی۔کیونکہ اور چارہ کار ہی نہیں تھا یا تو ذلت کے ساتھ اپنے دشمن کے ہاتھ چڑھنا تھا اور یا اُس نے خود کُشی کرنی تھی۔تو ساری پبلک اصحابِ خدود کی ایمان لے آئی۔بادشاہ کو بڑا افسوس ہوا کہ جس بات کو میں روکنا چاہتا تھا وہ پھیل گئی۔دوسری بار پھر بادشاہ نے سختی سے کچلنے کا فیصلہ کیا اور وہ بھی اتنا غیر انسانی۔اُس نے کہا خندق اور گڑھے کھودو،اُس میں آگ جلاؤ اور اِن لوگوں سے کہو ایمان چھوڑ دو یا ہم تمہیں اس میں گراتے ہیں۔اتنی سختی جو انسانیت برداشت نہ کرسکتی ہو۔ لوگوں کو پکڑ کر اُٹھاتے آگ میں ڈالتے ۔ایک عورت

کے پاس دودھ پیتا بچہ تھا۔ اُس نے بولنا ابھی نہیں شروع کیا تھا۔ انہوں نے اُس کو اُٹھایا اور آگ میں ڈالا۔ عورت بلبلائی اور چیخی، تو دودھ پیتے بچے نے خندق سے آواز دی امی جان کوئی فکر نہ کرو کوئی پریشانی نہ کرو باہر سے آگ ہے اندر تو جنت ہے، امی جان باہر آگ ہے اندر جنت ہے۔ بس اُس کو بھی گرا دیا گیا تو ایسے ایک زندگی کا حیات کا ایک پردہ ہے اِس کے ہوتے ہوئے حقائق اور طرح نظر آتے ہیں جب یہ اُٹھ جاتے ہے پھر تو حقائق اور طرح کے ہیں۔ جس وقت عزرائیلؑ آکر انسان کی شہ رگ پر انگلی رکھتے ہیں نزع کے وقت، روح قبض کرنے کے وقت، تو انسان ایسے محسوس کرتا ہے کہ جیسے نیند میں تھا بیدار ہو گیا نیند تھی جو ٹوٹ گئی پھر حقائق نظر آتے ہیں، وہ بنگلہ جو رشوت کے مال سے ظلم کے مال سے بنا تھا اب وہ بنگلہ نہیں ہے آگ کا ایک گڑھا نظر آرہا ہوتا ہے اور مرتے وقت آدمی سخت فریاد کرتا ہے کیونکہ اِس کی روح بھاگتی ہے گھستی ہے اندر چھپنا چاہتی ہے اور اِس کیلئے امر آیا ہوا تھا اخرجو انفسکم بس اب وقت پورا گیا۔ اپنی روح کو حوالے کرو اور اگر اللہ کی طرف جانے والا ہے جنت کی طرف جانے والا ہے تو ایسی رعنائیاں خوشنمائیاں سامنے کی جاتی ہیں کہ انسان کو ادھر محویت ہو جاتی ہے۔ بیٹا سامنے آئے، بیوی سامنے آئے، سامان چیزیں سامنے آئیں، کسی طرف کوئی توجہ ہو ہی نہیں رہی کیونکہ اب وہ چیز چھوٹ رہی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور وہ چیز سامنے آرہی جس کے اندر حسن و جمال کیا؟ خوشنمائی کیا؟ رعنائی کیا؟ اُس کا تو جواب ہی نہیں۔

بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے — سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں — کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے کہ آزمائش میں کروں گا، آزمائش ہوگی۔

**ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف والجوع ونقصٍ من الاموال والانفس والثمرٰت ط وبشر الصٰبرین۝ الذین اذا اصابتھم مصیبۃ لا قالو انا للہ و انا الیہ رجعون۝**

ترجمہ: اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے، اور خوشخبری دے اُن صبر کرنے والوں کو، کہ جب پہنچے ان کو کچھ مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

ہم تمہاری آزمائش کریں گے ضرور تھوڑی سی سے بھوک سے، خوف سے، مال کے نقصان سے، جان

کے نقصان سے، ثمرات تمہارے پھلوں باغوں کے نقصانات سے، اِس سے آزمائش کریں گے۔ آزمائش کے وقت جمنا ہوگا کمزوری نہیں دکھانی ہوگی۔ بس وہ آزمائش کا تھوڑا سا وقت ہوتا ہے پھر رحمت کے دروازے کھلتے ہیں پھر اُس کے بعد وہ خوشیاں ہوتی ہیں کہ مت پوچھیے۔ یہاں ایک گاؤں ہے لکڑ ئے وہاں ایک امام صاحب ہوتے تھے۔ اُن کی مسجد کی دو کنال زمین تھی جس میں اپنے لئے سبزی، گندم وغیرہ اُگا دیتے تھے جس سے اُن کا گزارہ ہوتا تھا، دوسرا بھائی مخالف ہوگیا کہ یہ زمین میرے ہاتھ چڑھے۔ اُس نے دو کنال زمین کے لیے اپنے بھائی کو قتل کر دیا، مولوی صاحب کا نام تھا گلاب۔ قتل کر کے پاس تالاب میں پھینک دیا۔ بچے پیچھے چھوٹے چھوٹے بے آسرہ رہ گئے۔ کسی آدمی نے خواب دیکھا کہ جو آدمی اس تالاب کا پانی لے کر جائے گا جس بیماری کیلئے لے کر جائے گا اُس کو شفا ہوگی بس لوگ شروع ہو گئے۔ تو یہاں متھرے کے پاس ایک مدرسہ کے مہتمم گزرے ہیں میاں محمد جان صاحب۔ ایسے اللہ والے آدمی گزرے ہیں کہ حج پر گئے تھے تو وہاں کسی آدمی کو حضورؐ کی زیارت ہوئی۔ اُس آدمی کو آپؐ نے پگڑی عطا فرمائی کہ یہ میاں محمد جان کو میری طرف سے دے دینا۔ پشاور کا ڈی۔سی ہوتا تھا خالد منصور۔ اُن کی خدمت میں حاضر ہوا ساتھ مولانا بجلی گھر صاحب بھی تھے۔ مولانا بجلی گھر صاحب کو پتہ تھا کہ وہ پگڑی دکھاتے کسی کو نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے یہ ڈی۔سی ہے اِس کو دکھا دیں۔ بجلی گھر صاحب نے میاں صاحب سے کہا کہ یہ ہمارا ڈی۔سی ہے دینی باتوں کا دیوانہ ہے وہ پگڑی جو دربارِ رسالت سے آپ کو عطا ہوئی ہے اُس کی زیارت کرنا چاہتا ہے میاں صاحب نے جواب دیا کہ وہ میں نے اپنے ایک شہر کے تاجر مرید کے پاس رکھی ہوئی ہے جنازے کے وقت میرے اُوپر ڈالی جائے گی۔ اللہ کی شان اُن کی وفات کی خبر میں نے سنی تو میں نے شاگرد کو پکڑا اور کہا کہ ایک مشکل راستہ ہے کھیتوں میں، اس سے ہم پہنچ سکتے ہیں جنازے میں، تم کوشش کر کے مجھے وہاں پہنچا دو۔ موٹر سائیکل گرا، میں نے کہا فکر نہ کرو اُٹھو پھر دوڑاؤ۔ آخر ہم پہنچے سبحان اللہ وہ چادر اُن پر ڈالی ہوئی تھی۔ مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک والوں نے جنازہ پڑھایا۔ جنازے میں انھوں نے عجیب کہانی سنائی، کہا ایک کفن چور تھا جو قبروں سے کفن چراتا تھا۔ ایک دفعہ ایک عورت

کے جنازے میں گیا اس لئے کہ قبر دیکھ لوں کہ رات کو آنا، کھودنا اور کفن اُتارنا آسان ہو۔ بہر حال اُس نے جنازہ پڑھ لیا، رات کو گیا قبر کھودنے کیلئے جب اس نے قبر کھودنا شروع کی تو آواز آئی حیرت ہے ایک جنتی مرد جنتی عورت کی قبر کو کھودر ہا ہے۔ اِس نے آواز سنی اس نے کہا عورت تو جنتی ہوگی لیکن میں تو کفن چور میں تو جنتی نہیں ہوں، پھر کھودنا شروع کیا، پھر یہی آواز سنی حیرت ہے ایک جنتی مرد جنتی عورت کی قبر کو کھودرہا ہے۔ پھر اُس کو سمجھ نہیں آیا، اس نے پھر کھودنا شروع کیا تیسری بار پھر آواز آئی حیرت ہے ایک جنتی مرد جنتی عورت کی قبر کو کھودرہا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ عورت تو جنتی ہوگی میں کیسے جنتی ہوں تو آواز آئی کہ یہ عورت ایسی مقبول ولیہ تھی اللہ تعالیٰ کی کہ جتنے لوگ اس کے جنازے میں شامل ہوئے تھے سب کی اللہ نے مغفرت کردی تو لہٰذا تو بھی جنتی ہے۔ توبہ تائب ہوا اور واقعی جنتی ہو کر رہا۔ میاں محمد جان صاحب نے کہا کہ اللہ کے بندو اتنی کرامت کا ظہور ہوا ہے مولوی گلاب صاحب کی۔ بچے اُس کے بے آسرہ ہیں تو جو یہ پانی لے کر جائے شکرانہ دے اُس کے بچوں کو، اس پر شکرانے شروع ہوگئے تو میاں محمد جان صاحب نے کہا کہ یہ کرامت دو سال تک چلے گی۔ چنانچہ وہ تالاب گلاب بابا کے نام سے مشہور ہو گیا۔ دو سال تک وہ کرامت چلی اور اُن کے بچے آسودہ ہوئے اور اُن کے بچوں نے دو کنال کی جگہ بیس کنال زمین خریدی۔ اتنی اللہ نے آسودگی دی۔ اللہ کے راستے کی شہادتیں اور خون کا گرنا بظاہر میں تو نقصان نظر آتا ہے لیکن نقصان نہیں ہوا کرتا　نسلوں کی نسلیں رنگی جاتی ہیں اور قاتلوں کی نسلوں کی نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں ان کے خاندانوں کو اللہ رسوا کرتا ہے۔ یزید نے مدینہ منورہ میں دس ہزار تابعین، سولہ سو صحابہ کرام مہاجرین و انصار شہید کئے اور پھر لشکر کو مکہ مکرمہ پر حملے کا حکم دیا۔ وہاں اُس نے سنگباری کرائی، غلافِ کعبہ جلا، بیت اللہ شریف کی دیوار گری بس یہ محاصرہ جاری ہی تھا کہ بیماری نے آ کر پکڑا اور تین　چار سال حکومت چلی وہ پیاری چیز، وہ پیاری حکومت جس کیلئے مسجدِ نبوی کو تہہ و بالا کیا جس کیلئے بیت اللہ شریف کی دیواریں گرائیں جس کیلئے ہزاروں آدمیوں کو قتل کیا جس کیلئے نواسہ نبویؐ حضرت حسینؓ کو شہید کیا۔ آخر اُس نے چار سال یزید کے ساتھ وفا نہ کی، عبرت کا نمونہ بنا، آج تک اُمتِ مسلمہ میں رواج رہا ہے کہ ان بنی اُمیہ کے ناموں

پر نام نہیں رکھتے۔ یزید کا نام گالی بنا ہے حالانکہ یزید معانی کے لحاظ سے ایک اچھا لفظ ہے کسی آدمی سے اگر بہت ظلم ہو تو کہتے ہیں تو کوئی یزید کا بچہ ہے، کیوں کہ

ع ظلم تو ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے

سعدیؒ نے گلستان میں زبردست مضامین لکھے ہوئے ہیں کہ جب تو ظلم کر رہا ہو تو اِس بات کو سامنے رکھ کر کیا کر کہ جب تیرا نمبر آئے گا جتنا خود سہہ سکتا ہے اتنا دوسروں پر کیا کر۔ گلستان عجیب چیز ہے جی! چلیں ایک واقعہ آپ کو سنا دیں۔ ایک واقعہ سعدیؒ لکھتا ہے کہ ہم کشتی میں جا رہے تھے اور ہم سے آگے کشتی غرق ہو گئی۔ اِس میں کوئی نیک اللہ والا بندہ تھا اُس نے کہا کہ جس آدمی نے اُس کشتی کے ڈوبنے والوں کو بچایا تو ہر ایک آدمی کے بدلے میں میں اس کو پانچ دینار دوں گا یعنی پانچ تولہ سونا دوں گا۔ ایک آدمی نے چھلانگ لگائی اور تیر کر ایک آدمی کو پکڑا اور لا کر کشتی میں ڈال دیا۔ فاصلہ والا آدمی اتنی دیر میں ڈوب گیا۔ تو لوگوں نے کہا ہائے ہائے اس کی قسمت میں ڈوبنا تھا اور اس کی قسمت میں بچنا تھا۔ بچانے والے آدمی نے کہا ایسی بات نہیں ہے، یہ دونوں میرے محلے کے ہیں۔ میں ایک دفعہ جنگل میں آ رہا تھا اور میں بہت تھک گیا تھا جسے میں نے بچایا ہے اس نے مجھے اونٹ پر بٹھایا تھا میرے ساتھ احسان کیا تھا۔ مجھے اس کا احسان یاد تھا لہٰذا میں اس کی طرف پہلے گیا اور دوسرا جو تھا، میں جب چھوٹا تھا اس نے میری پٹائی کی تھی تو اس کی پٹائی مجھے یاد تھی۔ سعدی تو Wisdom of the East بول رہا ہے تجھے کیا پتہ ہے انٹرنیٹ پر بیٹھنے والے جوان اس وزڈم اور دانشوری کے بارے میں۔ سعدی نے کہا ہے کہ جس نے مجھ پر ظلم کیا ''بر ما بگزشت و بروے بماند'' مجھ پر سے تو گزر گیا لیکن ظلم کرنے والے کے ذمے رہ گیا۔ جس وقت اللہ تعالیٰ کا وقت مقررہ آئے گا اس وقت وہ ظلم رنگ دکھائے گا۔ گلستان کو اگر فارسی میں نہیں پڑھ سکتے ہو تو اردو میں اس کے ترجمہ کو پڑھ لو۔ وہ وِزڈم آف دی ایسٹ ہے۔ اگر بادشاہوں کے ساتھ فرمارواں کے ساتھ بات کرنے کیلئے بیٹھنا ہو تو گلستان پڑھا ہوا آدمی مار نہیں کھاتا کیوں کہ قرآن وحدیث کی دانشواری اور دانائی کو انہوں نے اتنی سادہ مثالوں میں بیان کیا ہے کہ حیرت انگیز۔ اللہ تبارک وتعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

# آہ! مولانا حسن جان صاحبؒ

حضرت مولانا حسن جان صاحب شیخ الحدیث امداد العلوم ہفتہ کے روز روزہ کی حالت میں نا معلوم افراد کے ساتھ نکاح پڑھنے کے لئے گئے۔ اُن سفاکوں نے روزہ افطار کی اجازت دی نہ مغرب کی نماز پڑھنے دی اور وزیر باغ لے جا کر گولیوں سے چھلنی کر کے شہید کر دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ بندہ بروز اتوار جنازہ میں شمولیت کے لئے قیوم سٹیڈیم پشاور میں حاضر ہوا۔ اس سٹیڈیم نے بہت سے جنازے دیکھے ہیں لیکن اس کا پیٹ کبھی تنگ نہیں ہوا بلکہ ھل من مزید کا نعرہ ہی لگاتا رہا۔ آج نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ کیا اس کا میدان، کیا راستے، کیا سیڑھیاں ہر جگہ انسانی کھوپڑیاں ہی حرکت کر رہی تھیں اور تل دھرنے کی جگہ باقی نہیں تھی۔ کیا پیدل کیا سائیکل سوار کیا رکشے، تانگے، پیلی ٹیکسیاں، سرکاری گاڑیاں، پجیرو، لینڈ کروزر غرضیکہ ہر طبقہ زندگی کی نمائندگی بھرپور انداز میں نظر آ رہی تھی۔ بچے، نوعمر، نوجوان، بوڑھے، علماء، صلحا، مشائخ غرضیکہ انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ یہ علمائے دیوبند کی مقبولیت، شہادت کے اعزاز اور درسِ حدیث کی برکات کا ظہور تھا۔ اُن کی عاجز اور سادہ طبیعت نے ہر طبقہ زندگی میں انہیں مقبول کیا ہوا تھا۔

جنازہ شاید سیاسیوں کے ہتھے چڑھا ہوا تھا اس لئے حکومتی شخصیات کے خلاف خوب ہلڑ بازی ہوئی لیکن جب جنازے کا وقت آیا تو ان کا صوتی نظام (Sound System) ناکارہ ہو چکا تھا۔ مولوی صاحبان کو اتنا شعور نہ ہوا کہ صفیں قائم کر کے مکبر کھڑے کر کے جنازے کی ادائیگی کا بندوبست کرتے۔ چنانچہ نو حصے مجمع بغیر جنازہ کے واپس ہوا۔ اہل علم اتنے زیادہ بجلی کے آگے بے دست و پا ہو گئے ہیں کہ مسنون طریقے سے مکبرین کے آواز کے ساتھ نمازوں اور جنازے کی ادائیگی شاید ان کے خیال سے نکل گئی ہے۔ اس موقع پر رائے ونڈ والے حضرات کی قدر معلوم ہوئی کہ بیس لاکھ کے مجمع کو ایک امام کی پیچھے بغیر لاؤڈ اسپیکر کے مکبرین کے ذریعے نماز پڑھاتے ہیں۔

(ادارہ اشرفیہ عزیزیہ)

# معاملات کی صفائی

(اصلاحی خطبات از حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہم)

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑی عاجزی کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں اس حال میں کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں، گڑگڑا کر اور رو رو کر پکارتے ہیں کہ یا اللہ! میرا یہ مقصد پورا کر دیجئے۔ بڑی عاجزی سے، الحاح و زاری کے ساتھ یہ دُعائیں کر رہے ہوتے ہیں لیکن کھانا اُن کا حرام، پینا اُن کا حرام، لباس اُن کا حرام اور اُن کا جسم حرام آمدنی سے پرورش پایا ہوا۔ ایسے آدمی کی دُعا کیسے قبول ہو؟ ایسے آدمی کی دُعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

دوسری جتنی عبادات ہیں، اگر ان میں کوتاہی ہو جائے تو اس کی تلافی آسان ہے مثلاً نمازیں چھوٹ گئیں، تو اب اپنی زندگی میں قضا نمازیں ادا کر لو، اور اگر زندگی میں ادا نہ کر سکے تو وصیت کر جاؤ کہ اگر میں مر جاؤں اور میری نمازیں ادا نہ ہوئی ہوں تو میرے مال میں سے اس کا فدیہ ادا کر دیا جائے اور توبہ کر لو۔ انشاء اللہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تلافی ہو جائے گی۔ لیکن اگر کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقے پر کھا لیا تو اس کی تلافی اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک صاحبِ حق معاف نہ کرے۔ چاہے تم ہزار توبہ کرتے رہو، ہزار نفلیں پڑھتے رہو۔ اس لئے معاملات کا باب بہت اہمیت رکھتا ہے۔

اسی وجہ سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تصوف اور طریقت کی تعلیمات میں معاملات کو سب سے زیادہ اولیت حاصل تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے اپنے مُریدین میں سے کسی کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ اس نے اپنے معمولات، نوافل اور وظائف پورے نہیں کیئے تو اس کی وجہ سے رنج ہوتا ہے اور اس مُرید سے کہہ دیتا ہوں کہ ان کو پورا کر لو۔ لیکن اگر کسی مُرید کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس نے روپے پیسے کے معاملات میں گڑبڑ کی ہے تو مجھے اس مُرید سے نفرت ہو جاتی ہے۔

آج کتنے لوگ ناجائز قسم کے معاملات کے اندر مبتلا ہیں اوران کو خیال بھی نہیں آتا کہ ہم یہ معاملات شریعت کے خلاف اورناجائز کررہے ہیں۔اگر ہم نے غلط کام کر کے چند پیسے بچالئے تو وہ چند پیسے حرام ہوگئے اوروہ حرام مال ہمارے دوسرے مال کے ساتھ ملنے کے نتیجے میں اس کے بُرے اثرات ہمارے مال میں پھیل گئے۔پھراسی مال سے ہم کھانا کھارہے ہیں،اسی سے کپڑے بنارہے ہیں،اسی سے لباس تیار ہورہاہے جس کے نتیجے میں ہماری پوری زندگی حرام ہورہی ہے،اور ہم چونکہ بے حس ہوگئے ہیں اس لئے حرام مال اورحرام آمدنی کے بُرے نتائج کا ہمیں علم بھی نہیں۔یہ حرام مال ہماری زندگی میں کیا فساد مچارہاہے،اس کا ہمیں احساس نہیں۔جن لوگوں کواللہ تعالیٰ احساس عطافرماتے ہیں،ان کو پتہ لگتاہے کہ حرام چیز کیاہوتی ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر اُستاذ تھےاوردارالعلوم دیوبند کے صدرمدرس تھے۔وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں ایک دعوت میں چلاگیااوروہاں جاکرکھاناکھالیا۔بعدمیں پتہ چلاکہ اس شخص کی آمدنی مشکوک ہے۔فرماتے ہیں کہ میں مہینوں تک ان چندلقموں کی ظلمت اپنے دِل میں محسوس کرتا رہااورمہینوں تک میرے دِل میں گناہ کرنے کے جذبات پیدا ہوتے رہے،اورطبیعت میں یہ داعیہ بار بار پیدا ہوتا تھا کہ فلاں گناہ کرلوں، فلاں گناہ کرلوں،حرام مال سے یہ ظلمت پیداہوجاتی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ان کی لکھی ہوئی کتابیں کئی اُونٹوں کے بوجھ کے برابرتھیں۔کسی نے اُن سے پوچھا کہ حضرت! آپ نے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں لیکن تصوف اورزہد کے موضوع پرکوئی کتاب نہیں لکھی؟امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ تم کیسے کہتے ہو کہ میں نے تصوف پرکتاب نہیں لکھی،میں نے جو"کتاب البیوع"لکھی ہے،وہ تصوف ہی کی کتاب ہے۔مطلب یہ تھا کے خریدوفروخت کے احکام اورلین دین کے احکام حقیقت میں تصوف ہی کے احکام ہیں۔اس لئے کہ زہداور تصوف درحقیقت شریعت کی ٹھیک ٹھیک پیروی کانام ہےاورشریعت کی ٹھیک ٹھیک پیروی خریدوفروخت اورلین دین کے احکام پرعمل کرنے سے ہوتی ہے۔ (ظہورالٰہی فاروقی)

# خانقاہ کی حقیقت و اھمیت

(حیاتِ اشرف سے انجینئر ثاقب علی خان کا انتخاب)

بعض حقیقتیں محض الفاظ کی قدامت کے باعث مانی نہیں جاتیں اور اس کی وجہ محض جدت کا ناز ہے، ورنہ جو نگاہ حقائق تک پہنچ جائے وہ اعتراف پر مجبور ہوگی۔

''خانقاہ'' کے لفظ کے ساتھ عجمیت و رہبانیت اور خدا جانے کس کس قسم کے غلط تصورات عام طور پر ذہن میں آجاتے ہیں، حالانکہ یہ حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔ ''خانقاہ'' ایک ایسے محل کا نام ہے جہاں علوم باطنی کی عملی تعلیم و تربیت ہوتی ہے یا یوں کہئے کہ یہ ایک ایسا ماحول ہے جو غیر اسلامی زہریلے اثرات سے پاک اور روح کے لیے صحت بخش ہوتا ہے۔ اب بتائیے کہ دنیا کا ایسا کونسا تعلیمی نظام ہے جو بلا تربیتی نظام کے کامیاب ہو سکا ہے اور کونسی تعلیم گاہیں، یونیورسٹیاں اور کالج ہیں جن کے ساتھ بورڈنگ ہاؤس اور ہاسٹلوں کا قیام ضروری نہیں ہے؟ اور کس ماہر تعلیم کے نزدیک درسگاہ اور اس کے اقامت خانہ کا ایک ساتھ اور علیٰحدہ ماحول میں قیام ضروری و لازمی نہیں ہے؟ مشہور انگریزی ادیب و ماہر تعلیم نیومن (Newman) کے مضامین پڑھے جائیں تو پتہ چلے گا کہ اس نے اس کی اہمیت کو کس زور سے منوایا ہے! اور یہ بات اس وجہ سے ناگزیر ہے کہ محض کتاب و تقریر سے ذہنیت و عمل کو بدلا نہیں جا سکتا بلکہ اس کے لیے ایک خاص ماحول کا پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور اس ماحول کا اثر اتنا گہرا اور قوی ہوتا ہے کہ گو مختلف صلاحیتوں اور استعدادوں کے لوگ یہاں آتے ہیں اور اپنے اپنے ذوق کے مطابق علوم کی تحصیل میں لگے رہتے ہیں لیکن دو چار برس یہاں رہ کر ان کے اندر بطور قدر مشترک ایک خاص طرز فکر، ایک مشترک زاویۂ نگاہ اور مشترک طرز زندگی پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے آپس میں ہمرنگ اور دوسروں سے ممیّز و ممتاز ہو جاتے ہیں۔ یہی منشاء ہے ہاسٹلوں کے قیام کا!

آج بڑے بڑے ماہرین نفسیات کو ماحول کے ان قوی اثرات کا اعتراف ہے۔ چنانچہ ان ہی میں کے ایک جے ڈبلیو واٹسن کا دعویٰ ہے:

''بارہ صحت مند توانا بچے میرے حوالہ کر دو اور مجھ کو اپنے خاص ماحول میں ان کی تربیت کا موقع دو تو میں ان میں سے بلا تخصیص جس کو جس چیز کا ماہر بنانا چاہوں گا بنا لوں گا۔ ڈاکٹر، مقنن، آرٹسٹ

اور ہاں چاہوں تو بھکاری اور چور بھی۔ خواہ ان کی استعدادیں ان کے رجحانات، ان کی صلاحیتیں اور ان کے نسلی و آبائی پیشے کچھ ہی ہوں'' ۔[1]

خیر یہ تو انتہا پسندی کی بات ہوئی اور خود دوسرے ماہرین نفسیات نے بھی اس کو غلو سے تعبیر کیا ہے، مگر ایس، ایس سارجنٹ کا یہ بیان تو میزانِ عدل میں صحیح ہے اور کسی کو اس سے اختلاف نہیں ہو سکتا کہ:

''یہ پوچھنا کہ ''ورثہ'' (یعنی موروثی خصوصیات) اصل شے ہے یا ''ماحول''؟ یہ ایسا ہی سوال ہے جیسے کوئی یوں پوچھے کہ موٹر کار دوڑانے کے لیے کونسی چیز اہم ہے موٹر انجن یا پٹرول؟ ظاہر ہے کہ دونوں ہی ضروری ہیں۔ ''ورثہ'' میں تو وہ خام مواد ملتا ہے جس سے انسان کی تشکیل ہوتی ہے لیکن جو کچھ بنتا ہے اور جس انداز میں اس کا خام مواد ڈھلتا ہے اس کا بڑا انحصار ماحول پر ہے۔ اچھا مواد اچھے ہاتھوں (یا ماحول) میں پہنچ کر ایک ''اعلیٰ'' صورت اختیار کرتا ہے اور بُرا مواد خواہ کتنی ہی اچھی اس کی پرداخت ہو وہ کبھی ''درجۂ اوّل'' کا ثابت نہیں ہو سکتا۔'' یعنی کچھ تو ضرور ہی بنتا ہے۔ بقول مجذوبؒ

ع میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے!

انسانی ماحول کا اثر محض ''ذوات انسانی'' تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ ساری فضا اس گروہ انسانی کے نیک یا بد اعمال سے ''متاثر'' ہوتی ہے جس میں وہ رہتے بستے ہیں اور بعد میں خود یہ فضا ایک مؤثر بن جاتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک ایسی جگہ جو مدتوں مقتل رہی ہو کسی ایسے شخص کو لے جایئے جو اس جگہ کی خصوصیت سے بالکل لاعلم ہو، دیکھئے کہ اس کا دل خواہ مخواہ دھڑکنے لگے گا۔ پھر اسی شخص کو ایک ایسی فضا میں لے آیئے جہاں کبھی اللہ والوں نے پیہم ''اللہ اللہ'' اور ''لا الہ الا اللہ'' کی رٹ لگائی ہو آپ دیکھیں گے کہ وہ اپنی عدم واقفیت کی بنا پر وجہ تو نہ بتا سکے گا لیکن اس کو یہاں پہنچ کر سکون میسر آئے گا اور اندر ہی اندر اس کے قلب میں سرور کی ایک لہر دوڑ جائے گی۔ یہ کیوں؟ اس وجہ

---

[1] "The Basic teaching of the great Psychologists" By G.S Grant. Page 61,79,80

سے کہ فضا خود ایک ''مؤثر'' بن گئی ہے!!

غرض انسانی ماحول اور فضا وہ مؤثرات ہیں جن سے انسانی دل اور دماغ ہر آن متاثر ہوتا رہتا ہے اوران اثرات کے ماتحت اس کا عمل ایک خاص سانچہ میں ڈھلتا رہتا ہے۔ پس اب جبکہ دنیا کی وسعتیں اکثر و بیشتر غیر اسلامی ماحول سے پٹی پڑی ہیں تو مسلمانوں کی دینی تربیت کے لیے خاص تربیت گاہوں کا قیام اور ایک خاص فضا کی فراہمی کس درجہ ضروری اور ناگزیر ہوگئی ہے۔ قیامِ خانقاہ کا مقصد صرف یہی ہے اور خانقاہ کی حقیقت اس کے سوا کچھ اور نہیں!

یہ گفتگو تو عقل پرستوں کو مخاطب کر کے کی گئی، لیکن آج ایک ایسا گروہ بھی ہے جو خود کو تعلیمات اسلامی کا حامی اور ''تحریک اسلامی'' کا علمبردار سمجھتا ہے لیکن اس کی نگاہ چونکہ ان نفسیاتی مسلمات و حقائق تک نہیں پہنچتی اس لیے وہ ''خانقاہ'' کے لفظ ہی سے اس پر عجمیت کا فتویٰ صادر کرتا ہے اور وہ اس کے بغیر ہی ''دینی اخلاق'' پیدا کرنے کا مدعی ہے۔ حالانکہ گویا یہ بات ایسی ہی ہے جیسے کوئی طبیب اپنے نقصِ علم وفن کی بناء پر یہ دعویٰ کرے کہ دق کے مریضوں کے لیے سینیٹوریم قائم کرنا اوران کو وہاں رکھنا سب فضول ہے، ان کا علاج تو اسی دق سے متاثرہ ماحول میں ہونا چاہئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد زریں میں بلکہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنھم کے دور میں بھی چونکہ مسلمان علم و عمل کے فرق سے ناآشنا تھے اور دین کی اصل اوراس کی روح سے پوری طرح باخبر تھے اس لیے یہاں کسی الگ دینی تربیت گاہ کا وجود تھا نہ اس کی ضرورت۔ مگر دیکھئے کہ صحابہ (حضور ﷺ کے صحبت یافتہ) و تابعین (صحابہ کے صحبت یافتہ) کی عظمت و مرتبت خود اپنے لقب سے اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں ''صحبت'' اور ''ماحول'' کو کیا درجہ و مقام حاصل ہے، اوراس کا سیرت سازی میں کتنا عظیم الشان حصہ ہے، اوراس کی وجہ سے ایک مسلمان آناً فاناً کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ ویسے خود عہد نبوی میں اصحاب صُفّہ کا وجود اوران کی تعلیم و تربیت کا نظام ایک خانقاہ کا آئیڈیل ہی تو ہے۔

جب جامعیت کے یہ دور ختم ہو چکے اور سیاست و حکومت کی زمام کار ایک ایسے طبقہ کے ہاتھ آئی جس کی نظر میں دین کا اصل کام یعنی تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت ثانوی حیثیت اختیار کر گیا اور ملک

گیری اور تزک و احتشام ان کی غایت قرار پائے تو بعض نفوس قدسیہ نے موقع کی نزاکت کو تاڑا، وہ لرز گئے کہ کہیں بعثت نبوی کا منشائے حقیقی ہی فوت نہ ہو جائے، اسی جذبہ کے ماتحت انہوں نے دین کی اصل کو سنبھالنا اپنا فریضۂ واحد قرار دیا۔ سیاست سے کنارہ کش ہو کر ایسی دینی تربیت گاہیں قائم کیں جہاں سے دین حنیف کو سمجھنے والے اور سنت مطہرہ سے عشق و وارفتگی رکھنے والے پیدا ہونے لگے۔ یہی تربیت گاہیں بعد کو ''خانقاہ'' کہلائیں، اور اسی ماحول کے پروردہ ''صوفیائے کرام'' کہلائے۔ ان صوفیائے عالی مقام نے اپنے ان اداروں کے متواتر قیام کے ذریعہ تبلیغ و اشاعتِ دین کے وہ کارنامے انجام دیے جن سے آج تاریخ اسلام کی زینت ہے۔

اس سے ہم کو انکار نہیں کہ آج بہت سی خانقاہوں سے ان کی حقیقی غرض و غایت مٹ چکی ہے، لیکن کیا اس کی وجہ سے اس ادارہ کی افادیت و ضرورت ہی کا انکار لازم آئے گا اور اس کی بیخ کنی کی جائے گی؟ یہ تو کوئی طریقۂ اصلاح نہیں کہ اپنے جن جن اچھے طریقوں اور اصلاح کے اصولوں میں جہلا اور نفس پرستوں کے دخل کی وجہ سے خامیاں اور خرابیاں آگئی ہوں سرے سے ان طریقوں اور اصولوں ہی کو ختم کر دیا جائے۔ اگر یہی اصولِ اصلاح ٹھہرے کہ جس شئے میں خرابی آجائے اس شئے ہی کو فنا کر دیا جائے تو پھر ہم کو اپنے مدارس اور مساجد کے دروازے بھی بند کر دینے چاہئیں جن میں بیشمار خرابیاں راہ پاگئی ہیں۔ یہ طریقہ تعمیر کا نہیں تخریب کا ہے، یہ اصلاح نہیں تباہی ہے۔

ہر صدی کے سرے پر ''مجدد'' کی آمد کی نبوی پیشگوئی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اصل سے آمیزش کو دور کرنا اور اصل کو اپنے رنگ میں برقرار رکھنا یہی اصلاح ہے۔

خانقاہ امدادیہ:

جیسا کہ عرض کیا جا چکا کہ خانقاہوں کا قیام گو اس نام سے نہ ہو مگر ایک تربیتی نظام کی شکل میں ابتدائی عہد ہی میں موجود تھا اور پھر رفتہ رفتہ اکناف عالم میں پھیلا اور آج تک چلا آ رہا ہے۔ لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ اکثر خانقاہوں سے ان کے قیام کی اصلی غرض و غایت اٹھتی گئی اور یہ جو گیانہ رسوم و رواج کی آماجگاہ بن گئیں۔ پھر بھی یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ ہر دور میں چند خانقاہیں ایسی ضرور رہی ہیں جہاں تربیت اخلاق کا عظیم الشان فریضہ ہمیشہ انجام پاتا رہا۔ اور یہاں آکر بڑے

بڑے اہل علم نے اپنے غرورِ علمی کو، بڑے بڑے امراء نے اپنی نخوتِ دولت و جاہ کو اور کٹر دنیا داروں نے اپنی حبّ دنیا کو دور کیا اور اس روح پرور ماحول میں رہ کر صبر و شکر، ایثار و تواضع، توکل و قناعت اور اخلاص و ہمت کی اعلیٰ انسانی صفات اپنے اندر پیدا کیں۔ چنانچہ کون کہہ سکتا ہے کہ گذشتہ نصف صدی تک گنج مرادآباد میں شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ کے واسطے سے بھوپال میں شاہ ابو احمد صاحبؒ کے فیض سے اور تھانہ بھون، دیوبند اور سہارنپور میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ، مولانا محمد قاسم صاحبؒ و مولانا رشید احمد صاحبؒ اور مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے قیام سے اور حیدرآباد دکن میں شاہ سعد اللہ صاحب مجددی کے وجود سے (رحم اللہ تعالیٰ اجمعین) یہی دینی ماحول پیدا نہ تھا، اور حقیقی خانقاہیت موجود نہ تھی؟ اس سلسلہ کی دور حاضر کی آخری کڑی ''خانقاہ امدادیہ'' تھانہ بھون تھی جہاں حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہٗ کے ذریعہ تعلیمِ اخلاق و تزکیۂ نفوس کا ایک عظیم الشان اور وسیع ترین کام انجام پایا، جو موجودہ حالات میں کہیں انجام نہیں پا رہا تھا۔

تھانہ بھون کی فضا اللہ والوں کے اجتماع اور ان کی پرخلوص طاعتوں کے باعث ایسی پرنور اور روح پرور ہوگئی تھی کہ جو بھی چند روز یہاں قیام کرتا اس کی کایا پلٹ ہو جاتی، کتنے جنٹلمین یہاں آکر ایسے ہوگئے کہ مولوی بھی ان کے تقویٰ و طہارت سے شرمانے لگے اور کتنے علماء یہاں پہنچ کر عقلی کاوشوں سے نجات پا گئے اور یقین کامل کے سرمایہ سے مالا مال ہوگئے۔ کتنے اخلاق کے کچے، معاملات کے کھوٹے یہاں تربیت پا کر معلمِ اخلاق و معاملات بن گئے۔ کتنے ناآشنائے حقیقت محض کشف و کرامات اور الوان و لطائف کے حصول میں جان کھپانے والے آئے اور یہاں آکر ان پر دین کی اصل حقیقت کھل گئی اور محض ''رضائے الٰہی'' کا حصول ان کا مدعا بن گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

# اعتکاف

سلسلہ اشرفیہ عزیزیہ کا تربیتی اعتکاف ۱۳ اکتوبر بروزِ بدھ مغرب سے پہلے شروع ہوگا۔ شرکاء کی طعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوگا۔ موسم کے مطابق بستر ساتھ لائیں۔

# جاپان کا سفرنامہ

(ڈاکٹر قیصر علی خان، پروفیسر انجینئرنگ یونیورسٹی پشاور)

۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو پاکستان کے شمالی علاقوں اور کشمیر میں ایک ایسا تباہ کن زلزلہ آیا، جسکی نظیر ملکی تاریخ میں نہیں ملتی۔ زلزلے کے فوراً بعد پوری دنیا سے سرکاری اور غیر سرکاری تنظیموں کی ایک کثیر تعداد نے پاکستان کا رخ کیا۔ جن میں سے بعض نے بلاشبہ متاثرین زلزلہ کی بھرپور نصرت واعانت کی۔ متاثرینِ زلزلہ کے نام پر امدادی رقوم کو نعمت غیرہ مترقبہ سمجھ کر ہڑپ کرنے والے ہم وطنوں اور ملکی وغیر ملکی این جی اوز (NGO's) کے وطن اور مذہب دشمن کارناموں کی ایک الگ روح فرسا داستان ہے۔ جس کو کسی مناسب وقت پر علیحدہ سے لکھنے کا ارادہ ہے۔

متاثرین زلزلہ کی بھرپور مدد کرنے میں ایک نام جاپانی حکومت کا ہے۔ جاپانی حکومت کے غیر ملکی امدادی ادارے کا نام جیکا (JICA) ہے۔ جو جاپان سے باہر ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک کو تعلیم، صحت اور روزگار سمیت کئی شعبوں میں مدد فراہم کر رہا ہے۔ یہاں پر اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے کہ امداد فراہم کرنے والے ممالک مفت میں یہ کام نہیں کرتے۔ ان میں ہر ایک کے اپنے اپنے عزائم ہوتے ہیں۔ مثلاً اول یہ کہ ان کے ملک کی نیک نامی ہو، دوم امداد لینے والے ملک کی پالیسیوں پر اثر انداز ہوں اور سوم یہ کہ انکی منڈیوں میں اپنی مصنوعات کا تعارف کروائیں اور اگر تعارف ہو تو اُس کی مارکیٹ کو مزید مستحکم کریں۔ لہٰذا یہ ممالک اپنے امدادی کاموں کو سود سمیت خوب وصول کرتے ہیں۔

جاپانی حکومت کو پاکستان سے کاروبار کرنے میں جو نفع حاصل ہوتا ہے اُس کا کچھ حصہ وہ پاکستان میں JICA کے ذریعے خرچ کرتے ہیں۔ JICA نے پاکستان کے زلزلے سے متاثرہ علاقوں کے لیے تعلیم اور صحت کے شعبوں میں کثیر سرمایہ کاری کرنے کا اعلان کیا۔ اور اس سلسلے میں سکول اور بنیادی صحت کے مراکز تعمیر کرنا شروع کیے۔ جاپان کے بارے میں ایک بات مشہور ہے اور بالکل سچ ہے کہ جاپانی حکومت جب کسی ملک کو امداد دیتی ہے، تو اس کا تقریباً آدھا یا اس سے بھی زیادہ دوبارہ جاپان واپس چلا جاتا ہے۔ پاکستان میں بھی جاپان نے اپنے انجینئروں، پروفیسروں اور دوسرے ماہرین کو بھاری معاوضوں کے عوض آبادکاری کے مختلف مراحل میں شامل کیے رکھا۔ جس سے نہ صرف اُن کے لوگوں کو ایک نیا تجربہ حاصل ہوا بلکہ انھیں روزگار کا موقع بھی مل گیا۔

جاپانی ماہرینِ تعمیرات سے میری کئی ملاقاتیں ہوئیں، جاپان میں اکثر لوگ گھروں کی دیواریں، چھت، فرش غرض پورا گھر لکڑی سے بناتے ہیں، دیواروں کے اوپر رنگ کرنے کی بجائے خوبصورت اعلیٰ معیار کے چپکنے والے کاغذ لگائے جاتے ہیں۔ لہٰذا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ جاپان کے گھر لکڑی اور کاغذ سے بنائے جاتے ہیں۔ جاپانی ماہرینِ تعمیرات کو لکڑی، کنکریٹ اور سٹیل سے بنائی جانے والی عمارات میں تو بہت تجربہ حاصل ہے، لیکن اینٹوں اور پتھروں سے بنائے جانے والے مکانات میں ان کا تجربہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ لہٰذا پاکستان میں اُن کو مجبوراً مقامی ماہرین کی خدمات حاصل کرنا پڑیں۔

جاپانی ماہرین نے سکولوں اور بنیادی صحت کے مراکز کے لیے میرے ڈیزائن کردہ نقشے حاصل کیے، اور جاپان میں اُس پر کئی مہینے کام کر کے محض چند ترامیم کے ساتھ بالآخر اُنہی کو جاپانی ڈیزائن کے طور پر منظور کر لیا۔ جب جاپانی ماہرین نے مجھے اپنا ڈیزائن دکھایا تو مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ میرے ہی ڈیزائن پر اُنھوں نے اپنا نام لکھ دیا تھا۔ جب میں نے پوچھا کہ یہ آپ لوگوں نے کیا کیا ہے؟ تو کہنے لگے کہ ہم نے اپنے ڈیزائن میں آپکی خدمات کا اعتراف کیا۔ میں نے کہا یہ تو صریح نقل ہے۔ آپ لوگوں کو نام لکھ دینا چاہیے تھا کہ یہ بنیادی طور پر کس کا ڈیزائن ہے اور آپ لوگوں نے کونسی ترامیم کی ہیں۔ مجھے جاپانیوں کے اس رویے پر بڑی حیرت ہوئی۔ لیکن جب میں نے خود جا کر جاپان دیکھا، تو مجھے پتہ چلا کہ ان کی ترقی کا ایک راز یہ بھی ہے، کہ جہاں سے جو اچھی چیز ملے، اُس کو لے لو، وہ برملا کہتے ہیں کہ جب ایک دفعہ ایک چیز بن گئی، تو پھر ہم اُس پر دوبارہ اپنی توانائی کیوں لگائیں اور کیوں نہ اُس پر مزید کام کر کے اُسی کو بہتر بنائیں۔

اگست ۲۰۰۶ میں جاپانی ماہرین نے پاکستان میں زلزلوں پر ایک کانفرنس منعقد کی۔ جس میں میں نے بھی شرکت کی۔ کانفرنس کے بعد جاپانی حکومت نے مجھے اپنے خرچ پر جاپان کا دورہ کرنے کی پیشکش کی۔ بچپن سے جاپان کا نام، جاپانی الیکٹرانک سامان، موٹروں، امریکہ جاپان کی لڑائی سمیت کئی ایک دوسرے حوالوں سے اتنی بار سنا اور پڑھا تھا کہ میں نے فوراً جاپانی حکومت کی دعوت قبول کر لی۔

جاپان جانے کے لیے مجھے قطر اور تھائی ایئر لائنز میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا، گو کہ قطر ایئر لائن کی فلائٹ کا دورانیہ زیادہ تھا لیکن میں نے جہاز پر حلال خوراک موجود ہونے کی وجہ سے اسی کا انتخاب کیا۔ پشاور سے قطر کے دارالخلافہ دوحہ تک تین گھنٹے اور دوحہ سے اوساکا تک تقریباً ۱۰ گھنٹے ہوائی سفر کے علاوہ دوحہ میں سولہ (۱۶)

گھنٹے رکنا بھی پڑا۔ میں نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دوحہ کی سیر بھی کرلی۔ دوحہ ایک چھوٹا سا شہر ہے، جو دوبئی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بلند و بالا عمارات، چوڑی سڑکوں اور ساحل سمندر پر لمبی لمبی سیرگاہوں کو بڑی تیزی سے آباد کررہا ہے، لیکن افسوس کہ ہر دو شہروں میں تعلیم و تحقیق اور صنعت و حرفت کی طرف کسی کا دھیان نہیں۔ ان ممالک کا خیال ہے کہ ہم سیاحت کے شعبے کو ترقی دے کر مالدار سے مالدار تر ہوجائیں گے اور مزید یہ کہ امریکہ اور یورپ کے گوری چمڑے والے ٹھنڈے لوگ جب ہماری گرم ریت پر سکون حاصل کریں گے تو ہم ان کی جارحانہ پالیسیوں سے بچ جائیں گے، لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے، بقول اقبال

ہے جُرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

یہ لوگ سیاحت سے کتنے پیسے کمالیں گے، امریکہ جب ان کو ایک جہاز فروخت کرتا ہے، تو ان کی پورے سال کی آمدنی آنِ واحد میں وصول کرلیتا ہے۔

دوحہ میں میرا قیام ختم ہونے کے بعد میں اوساکا روانہ ہوا۔ میں جب اوساکا کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر پہنچا تو مجھے لینے کے لیے میرے میزبان وہاں پہلے سے موجود تھے اور میں بغیر کسی تکلیف کے اپنی جائے اقامت پر پہنچ گیا۔ میری رہائش کوبے (Kobe) شہر میں واقع (JICA) کے بلڈنگ میں تھی، اسی عمارت میں سارے غیر ملکی لوگ رہائش پذیر تھے۔ اکثر لوگ بلڈنگ کی تیرھویں منزل پر تھے، میرا کمرہ بھی اسی منزل پر تھا۔ صبح سویرے نماز پڑھ کر جب میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی کھول لی، تو عجیب منظر دیکھا۔ سمندر کے صاف و شفاف پانی میں چھوٹے بڑے جہاز رواں دواں تھے۔ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ پیدل سیر کرنے والوں کے لیے فٹ پاتھ، سائیکل سواروں کے لیے سڑک، ورزش کرنے والوں کے لیے چھوٹے چھوٹے گراونڈ اور جگہ جگہ سرسبز چمن ایسی ترتیب اور نفاست سے بنے ہوئے تھے، کہ لگتا تھا کہ کسی نے کاغذ پر بڑی مہارت سے لکیریں ڈال کر بنائے ہوں۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہی حال سارے جاپان کا ہے۔ زمین کے چھوٹے سے چھوٹے ٹکڑے کو بھی کام میں لاتے ہیں۔ صفائی ستھرائی مثالی ہے۔ کوبے شہر میں تکنیکی کانفرنسوں میں شرکت کے علاوہ کوبے کا عجائب گھر، دنیا کا سب سے بڑا اپل اور کوبے کی جامع مسجد دیکھنے کا موقع ملا۔

کوبے شہر میں ۱۷ جنوری ۱۹۹۵ کو ایک تباہ کن زلزلہ آیا، جس میں تقریباً ۷۰۰۰ لوگ ہلاک ہوئے، اور جاپان کو تقریباً ۱۰۰ ارب ڈالر کا مالی نقصان ہوا۔ یاد رہے کہ پاکستان کا کل بجٹ آجکل تقریباً ۱۲ ارب ڈالر ہے،

جاپان قدرتی آفات سے متاثر ہونے والے ممالک میں سرفہرست ہے، سمندری طوفان، زلزلوں اور حادثاتی آگ لگنے کی وجہ سے جاپان کو کئی مرتبہ شدید نقصان اُٹھانا پڑا ہے، یہی وجہ ہے کہ جاپانی حکومت قدرتی آفات سے بچاؤ کے لیے مؤثر حکمت عملی تیار کرنے کے لیے تعلیم وتحقیق کی مد میں کثیر رقم خرچ کررہی ہے۔

کوبے کا عجائب گھر ۱۹۹۵ کی زلزلے کی یاد میں بنایا گیا ہے۔عجائب گھر میں زلزلے کے دوران ہلاک ہوجانے والوں کے لواحقین کے خطوط، رضا کاروں کے کارناموں پر مشتمل تحریریں، سائنسی آلات اور تربیتی مواد کے علاوہ لاتعداد قسم کی چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔عجائب گھر میں کام کرنے والا ایک چاق وچوبند گائیڈ ہمیں مختلف چیزوں کے بارے میں بتاتا رہا۔ کہہ رہا تھا کہ ایک قدرتی آفت کے بعد دوسری اُس وقت حملہ آور ہوتی ہے جب انسان پچھلی آفت کی تلخ یادوں کو بھول کر غافل ہوجاتا ہے۔لہٰذا ہم نے اپنی آنے والی نسلوں کے لیے اس زلزلے کی باقیات یادگار کے طور پر محفوظ کی ہیں۔تاکہ جب وہ اس کو دیکھا کریں تو آئندہ آنے والے حادثات کے مقابلے کے لیے آپنے آپ کو تیار کریں۔ جاپان میں ناقص تعمیراتی میٹریل کا استعمال اور تعمیر کے بارے میں ماہرین کے ہدایات کی خلاف ورزی ناقابل معافی جرم ہے۔عجائب گھر میں بچوں اور بڑوں دونوں کے لیے ایسے ماڈل اور نقشے رکھے ہوئے تھے، جس سے عام آدمی کو زلزلوں سے محفوظ گھر بنانے کے بارے میں کافی معلومات فراہم ہوجاتی تھیں۔عجائب گھر کے آخری حصے میں ہلاک شدگان کے لواحقین کے لیے نفسیاتی علاج کے طور طریقوں سے آگاہی پر مشتمل سننے اور دیکھنے کا کافی مواد موجود تھا۔ایک بڑی سکرین پر دکھارہے تھے۔کہ پتے کس طرح اُگتے ہیں، پھلتے پھولتے ہیں اور آخر میں گرجاتے ہیں۔پتے گرجانے کے بعد ایک آدمی بڑے اُداس لہجے میں کہتا ہے، کہ سب کچھ ختم ہوگیا۔تھوڑی دیر خاموشی کے بعد دوسرا آدمی جواب دیتا ہے کہ نہیں کچھ بھی ختم نہیں ہوا۔اب یہی پتے کسی دوسرے درخت پر اُگیں گے۔صرف بہار کا انتظار ہے۔یعنی ایک غیر محسوس طریقے سے وہ لوگوں کو اس بات کا باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں، کہ آدمی مرنے کے بعد کسی دوسرے شکل میں دوبارہ پیدا ہوجائیں گے۔ ہندوؤں کا بھی تقریباً اسی قسم کا عقیدہ ہے۔جاپانیوں کی اکثریت اگرچہ مذہب پر یقین نہیں رکھتی، لیکن ان کا رسمی تعلق ''شنتو'' مذہب سے ہے، جو عقائد کے لحاظ سے ہندو اور بدھ مت کے بین بین ہے۔انسان کو حیرت ہوتی ہے، کہ مادی لحاظ سے اتنے ترقی یافتہ ملک کے باشندے مذہب کے معاملے میں ایسی خرافات پر یقین رکھتے ہیں کہ جس کا سننا بھی کوئی سلیم الطبع آدمی پسند نہیں کرتا۔

کوبے شہر کے قریب ہی دنیا کا سب سے بڑا پُل ''آکاشی یا پرل پُل'' واقع ہے۔ پُل کی کل لمبائی تو زیادہ ہے، لیکن اس کا وسطی حصہ تقریباً دو کلو میٹر ہے، جو لوہے کے دو دیو قامت بُرجوں کے درمیان مضبوط فولادی رسیوں سے بندھا ہُوا ہَوا میں معلق ہے، اس دیو قامت بُرج کے ساتھ کھڑا ہو کر انسان خود کتنا چھوٹا لگتا ہے، لیکن یہ اسی چھوٹے انسان کی علم و دانش کی کارفرمائیاں ہیں کہ بحر و بر اس کا مطیع ہے، جس علم کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انسان کو فرشتوں پر فضیلت دی اور اشرف المخلوقات بنایا یہ ریاضی اور جغرافیہ بھی اسی علم کا حصہ ہے۔

اگلا دن جمعے کا تھا۔ میں نے اپنے جاپانی میزبان مسٹر اِمائی Imai کو پہلے ہی بتایا تھا کہ میں جمعے کی نماز مسجد میں پڑھوں گا۔ اِمائی کافی دفعہ پاکستان آیا ہوا تھا، لہٰذا اُس کو مسلمانوں کے بارے میں بہت معلومات تھیں۔ یہاں اس بات کا ذکر کرتا چلوں کہ اس دورے میں میرے علاوہ دو اور پاکستانی حضرات حامد اور نجیب بھی میرے ہمراہ تھے۔ جبکہ اس کے علاوہ انڈونیشیا، نیپال اور پیرو کے لوگ بھی تھے، انڈونیشیا سے شامل ہونے والوں میں دو خواتین ہر کُنتی اور دِیا اور ایک صاحب لطفی فیصل تھے۔ مسٹر اِمائی نے انڈونیشیائی خواتین و حضرات سے بھی جمعے کی نماز میں شرکت کے لیے مسجد جانے کے بارے میں پوچھا۔ جس پر لطفی فیصل نے تو کچھ گول مول جواب دیا، لیکن ہر کُنتی نے اُس کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ میں کیوں نماز نہیں پڑھ سکتی، جس پر میں شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ میں نے ایک دن لطفی فیصل سے پوچھا، کہ آپ چاروں اماموں میں سے کس کے مذہب پر ہیں، تو کہنے لگا، میں امام محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتا ہوں، اُس وقت تو میں سمجھا کہ شاید غیر مقلد ہوں لیکن بعد میں پتہ چلا کہ اس غریب کو مذہب کے بارے میں کچھ پتہ ہی نہیں۔ آپ دنیا میں جتنا گھومیں گے، پھریں گے، آپ کو ایک ہی ملک ''پاکستان'' نظر آئے گا جس میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اپنے مذہب سے والہانہ وابستگی رکھتی ہے۔

جمعہ کی نماز کے لیے ہم کوبے مسجد پہنچے، تو اقامت ہو رہی تھی۔ ہم فوراً نماز میں شامل ہوئے۔ نماز کے بعد کچھ پاکستانیوں سے ملاقات ہوئی، جن کا تعلق کراچی سے تھا۔ اُنھوں نے مجھے مسجد کی تاریخ کے بارے میں بتایا، کہ یہ مسجد 1935 میں بنائی گئی، اور مجھے ایک تصویر دکھائی جو 1943 میں کوبے شہر پر امریکی بمباری کی بعد لی گئی تھی۔ پورا شہر ملیا میٹ تھا، لیکن مسجد معجزانہ طور پر بالکل صحیح سالم کھڑی تھی۔ دوسری مرتبہ 1995 میں کوبے کے زلزلے میں مسجد کے گرد و نواح میں اکثر عمارتیں گر گئی تھیں، لیکن مسجد کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

جاپان میں اسلام کیسے پہنچا، اس کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ لیکن اس بارے میں کوئی شک نہیں

کہ جاپان میں اسلام باقی دنیا کے مقابلے میں کافی دیر سے پہنچا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جاپان میں اسلام 1860 کے قریب متعارف ہوا جب برطانوی جہازوں پر کام کرنے والے ملایشیائی ملاح وہاں پہنچے۔ غالباً 1870 میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر پہلی کتاب کا جاپانی ترجمہ ہوا۔ 1890 میں عثمانی خلیفہ نے جاپانی شہزادہ کی تخت نشینی کے موقع پر خیر سگالی کے لیے ایک بحری بیڑہ جاپان بھیجا۔ اس بیڑے کا نام ارطغرل تھا۔ بد قسمتی سے یہ بیڑہ جاپانی ساحل پر لنگر انداز ہو رہا تھا کہ طوفانی ہواؤں نے اُس کو الٹ دیا۔ جس میں جہاز کے عملے کے اکثر لوگ ہلاک ہوئے۔ ان لوگوں کے لواحقین کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرنے کے لیے کچھ جاپانی ترکی پہنچے، جن میں ایک کا نام 'شوتارہ نودا' تھا۔ ترکی پہنچ کر شوتارہ مسلمان ہوا اور عبدالخلیل نام اختیار کر لیا، آج کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ پہلا جاپانی تھا جو مسلمان ہوا۔ جاپان میں مسلمانوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ اُس وقت ہوا جب پہلی جنگ عظیم اور انقلاب روس کے بعد ترک، ازبک، تاجک، کرغیز اور کازک لوگوں نے جاپان میں پناہ حاصل کی۔

کوبے مسجد کے بارے میں مزید دلچسپ معلومات یہ ہیں کہ جاپانی زبان میں کوبے کا مطلب ہے (Gate to God) یعنی ''اللہ سے ملاقات کا دروازہ''۔ چونکہ یہ جاپان میں قائم ہونے والی پہلی مسجد (اللہ کا گھر) ہے۔ لہٰذا کوبے لفظ کے ساتھ اسکا دلچسپ اور عین موقع اور محل کے مطابق گہرا تعلق ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد 1920 میں کچھ ترک تاجر یہاں آباد ہوئے۔ اُنھوں نے انڈیا آکر مسجد کیلیے چندہ کیا۔ جاپانی بادشاہ سے اجازت لینے کے بعد 1932 میں اس پر کام شروع ہوا اور 1935 میں مکمل ہوا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران معجزانہ طور پر یہ مسجد بمباری سے بچ جاتی تھی، لہٰذا جاپانی فوجی اس کے تہہ خانے میں پناہ لیا کرتے تھے۔

نماز پڑھنے کے بعد ہم دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے ایک پاکستانی ریستوران میں چلے گئے۔ ریستوران کیا تھا، ۱۰ فٹ مربع ایک کمرہ تھا، جس میں دو میزیں پڑی تھیں۔ چونکہ میں اور میرے ساتھی کئی دنوں سے پاکستانی کھانوں خصوصاً روٹی کی تلاش میں تھے۔ لہٰذا ہمیں یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، کہ ہوٹل

والے تندور سے گرم گرم روٹیاں نکال کر لوگوں کو دے رہے تھے۔ غالباً جمعے کا دن ہوٹل والوں کے لیے بھی مبارک تھا کیونکہ کچھ ہی دیر میں اچھا خاصا رش ہو گیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اس شہر میں یہ ایک پاکستانی ہوٹل تھا۔ کھانے کے بعد ہم پیسے دینے لگے، تو پتہ چلا کہ ایک چپاتی کی قیمت پاکستانی ۱۵۰ روپے ہے، دو چپاتیوں اور ایک پلیٹ سالن کے ہم نے تقریباً ۱۰۰۰ روپے فی آدمی ادا کئے۔ ہمیں جاپانی کھانوں نے اتنا تنگ کیا ہوا تھا کہ اس قیمت میں یہ کھانا ہمیں مفت لگا۔

جاپانی لوگ کھانے میں ''کچی مچھلی'' اور ''توفو'' بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ توفو سویا بین کی بیج سے بنائی جانے والی ایک ڈیش ہے، جو مجھ سے بالکل کھائی نہیں جاتی تھی۔ کچی مچھلی کھانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن ہمیں اپنے میزبان ایک بہت اعلیٰ معیار کے ریستوران میں لے گئے۔ جس میں جو سب سے پہلی چیز لائی گئی، وہ ایک قسم کا سلاد تھا۔ میرے دوستوں نے کھانا شروع کیا لیکن میں اُس کو ابھی دیکھ رہا تھا، اور سوچ رہا تھا کہ کھاؤں یا نہ کھاؤں، کیونکہ اُس کی شکل کچھ عجیب قسم کی تھی، اور اس کے علاوہ اُس سے ایک ناگوار بو بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اتنے میں ایک آدمی نے کہا کہ اس میں تو خنزیر کے گوشت کے ٹکڑے ہیں، لہٰذا آپ لوگ نہ کھائیں۔ میں نے تو نہیں کھایا تھا لیکن میرے پاکستانی ساتھیوں کو بڑی ناگواری ہوئی۔ اس کے بعد کئی قسم کی کچی مچھلی لے آئے۔ جس کو دیکھ کر مجھے الٹی آتی تھی۔ ہم میں سے کسی نے اُسکو چکھنے کی ہمت نہیں کی۔ گو کہ جاپانی میزبانی دوستوں نے ہمیں آمادہ کرنے کی بہت کوشش کی۔ کہہ رہے تھے، کہ یہ جاپان میں سب سے مہنگی مچھلی ہے اور اس کے کھانے کے یہ فائدے ہیں۔ لیکن ہمیں اس کے کھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس کے بعد توفو لے آئے۔ ہم نے توفو کھانے کی کوشش کی، لیکن نہ وہ میٹھا نہ نمکین کچھ ذائقہ ہی نہیں، لہٰذا یہ بھی نہ کھا سکے، آخر میں ایک ڈش لے آئے، جس میں چاول اور ساگ تھا۔ ہم صرف وہی کھا سکے۔ تقریباً ہر کھانے میں ہمارا یہ حال ہوتا۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

# ایک خط

حضرت جناب ڈاکٹر فدا محمد صاحب ادام اللہ فیوضکم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

بعد از سلام امید ہے کہ مزاج اقدس بعافیت ہونگے کافی عرصہ سے آپ کی خدمت میں خط تحریر کرنے کا ارادہ تھا مگر موقع نہیں ملا۔ آپ کی طرف سے ماہنامہ غزالی یہ دوسرا سال ہے مسلسل آرہا ہے میں آپ کا بہت ہی ممنون ومشکور ہوں "اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین" رسالہ میں مکمل پڑھتا ہوں یقیناً روح کو تازگی اور فرحت ملتی ہے خصوصاً آپ کے مضامین پڑھ کر جہاں تاریخی معلومات ہوتے ہیں وہاں روحانی تسکین بھی ہوتی ہے، ایک رسالے کے بعد دوسرے رسالے کا شدّت سے انتظار رہتا ہے، میں اپنے ساتھیوں اور مقتدیوں کو رسالے کی خریداری کی ترغیب دیتا رہتا ہوں اور آئندہ کی جمعۃ المبارک کے اجتماع میں بھی انشاء اللہ ماہنامہ غزالی کو ہی جمعۃ المبارک کا موضوع بناؤنگا اور لوگوں کو رسالہ کی خریداری کی ترغیب دونگا اور حضرت اقدس ڈاکٹر فدا محمد صاحب سے روحانی تعلق رکھنے کی ترغیب دونگا بلا مبالغہ اسوقت پورے پشاور میں تصوف وسلوک اور روحانی میدان میں حضرت ڈاکٹر فدا صاحب مدظلہٗ العالی واحد روحانی شخصیت ہیں جو حضرت اقدس مولانا محمد اشرف خان سلیمانی نوراللہ مرقدہٗ کے روحانی مشن کو پوری دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔ صوبہ سرحد خصوصاً پشاور کے عوام وخواص اور علمائے کرام کو حضرت ڈاکٹر صاحب کی مجالس میں شرکت کرنا چاہیے اور انکے ماہانہ تربیتی وروحانی پروگرام میں بلا ناغہ شرکت کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ کا سایہ تادیر قائم رکھے، اور ہم سب کو تعلق مع اللہ قائم رکھنے کیلئے اھل اللہ کی صحبت نصیب فرمائے۔ جناب ڈاکٹر سید سعید اللہ صاحب مدظلہٗ اور دیگر آپ کے معتقدین مریدین اور شاگردوں کو سلام ۔

والسلام دُعاؤں کا طالب

احقر محمد سیف الدین

اسلام آباد

# اکابر علمائے دیوبند کی تواضع (سترہویں قسط)

(مفتی فدا محمد صاحب، دارالعلوم جامعہ رحمانیہ مینئی، صوابی)

## حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع (پیدائش ۱۸۸۱ء وفات ۱۹۵۵ء)

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کی یہ عادت سارے مدرسے میں مشہور تھی کہ ہر کس و ناکس کو ہمیشہ ابتداء بالسلام کرنے کا اہتمام فرماتے تھے اور دوسرا شخص عام طور سے انھیں سلام کرنے کی ابتداء نہیں کر پاتا تھا۔ بعض اوقات طلباء پہلے سے طے کر کے کوشش کرتے کہ آج ہم مولانا کو پہلے سلام کریں گے لیکن اس کوشش میں کامیاب نہ ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے ساتھ کسی سفر پر روانہ ہوئے ۔میں بھی ان کے ساتھ تھا، سفر کے آغاز میں حضرت مولانا نے فرمایا آپ میں سے کسی کو اپنا امیر سفر بنالوں۔ ہم نے عرض کیا ''حضرت تو امیر متعین ہیں۔'' فرمانے لگے اگر مجھے امیر بناتے ہو تو پھر میری مکمل اطاعت کرنی ہوگی، ہم نے کہا انشاءاللہ ضرور مانیں گے''۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب سامان اٹھانے کا مرحلہ آتا تو مولانا خود آگے بڑھ کر نہ صرف اپنا بلکہ دوسروں کا بھی سامان اٹھالیتے، ہم لوگ سامان اٹھانے پر اصرار کرتے تو مولانا فرماتے کہ میں امیر ہوں میرے حکم کی اطاعت ضروری ہے۔

اسکے بعد سارے سفر میں یہی معمول رہا کہ جب کوئی مشقت کا کام ہوتا تو مولانا آگے بڑھتے اور ہم مداخلت کرتے تو اطاعت امیر کا حکم سنا کر خاموش کر دیتے۔

حضرت محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ پاکستان آنے کے بعد حضرت والد صاحب کا خط وکتابت کا سلسلہ حضرت شیخ الادب کے ساتھ جاری رہا۔ راقم کو یہ خطوط دیکھنے اور پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ حضرت والد صاحب (مفتی محمد شفیعؒ) کو اس انداز سے خط لکھتے تھے جیسے کوئی چھوٹا اپنے بڑے کو لکھتا ہے۔

## حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کی تواضع:

ایک مرتبہ مولانا مظفر حسین صاحب کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لیے ہوئے جا تا تھا، بوجھ کسی قدر زیادہ تھا جس کی وجہ سے تکلیف میں تھا۔ مولانا مظفر حسین صاحب نے جب یہ حال دیکھا تو آپ نے اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا۔ اس بڈھے نے پوچھا جی تم کہاں رہتے ہو۔ آپ نے کہا بھائی میں کاندھلہ میں رہتا ہوں۔ اس نے کہا وہاں مولوی مظفر حسین صاحب بڑے ولی ہیں۔ مولوی مظفر حسین صاحب نے کہا اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہاں نماز پڑھتا ہے۔ بوڑھے نے کہا واہ میاں تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو! مولوی صاحب نے کہا میں ٹھیک کہتا ہوں۔ وہ بوڑھا ان کے سر ہو گیا، اتنے میں ایک شخص آیا جو مولوی صاحب کو جانتا تھا، اس نے بوڑھے سے کہا ارے میاں! مولوی مظفر حسین یہی تو ہیں۔ اس پر بوڑھا آپ سے لپٹ کر رونے لگا، مولوی صاحب بھی اس کے ساتھ رونے لگے۔

ایک مرتبہ کاندھلہ تشریف لا رہے تھے، ایک شخص مل گیا اس سے دریافت فرمایا کہ کہاں جاؤ گے؟ اس نے جواب دیا کاندھلہ مولوی مظفر حسین کے پاس۔ اس کے پاس سامان تھا اور آپ خالی ہاتھ تھے، آپ نے اس سے سامان لے کر سر پر رکھ لیا۔ کاندھلہ آکر جب اسے معلوم ہوا کہ یہی مولوی صاحب ہیں تو بہت پشیمان ہوا۔ آپ نے اس سے فرمایا اس میں کیا حرج تھا میں خالی ہاتھ تھا اور تم بوجھ لیے ہوئے آ رہے تھے۔

آپ بہت منکسر المزاج تھے، ہر کام خود کر لیا کرتے تھے بلکہ دوسروں کا کام بھی کیا کرتے تھے۔ عادت شریفہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور اپنے اقارب کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ اگر کسی کو بازار سے کوئی چیز منگوانا ہوتی تو پوچھ کر وہ لا دیتے۔ پیسہ اس زمانے میں کم تھا جو چیز آتی تھی غلہ کی آتی تھی، آپ غلہ کبھی کُرتے کے پلے میں لے جاتے اور کبھی لنگی میں۔

حضرت مولانا ہی کا ایک واقعہ ہے کہ قصبہ بڈولی میں ایک دفعہ مولانا وہاں کی سرائے میں ٹھہرے، برابر میں ایک بنیا اپنے لڑکے کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا، لڑکے کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے، مولانا کی اس سے بات چیت ہوتی رہی جیسا کہ سفر میں عادت ہے کہ مسافر آپس میں بات چیت کرتے ہیں۔ اس سے پوچھا میاں جی کہاں جاؤ گے؟ مولانا نے سب بتا دیا کہ فلاں راستہ سے جاؤں گا، اس کے بعد مولانا تہجد پڑھ کر روانہ ہوگئے۔ اس لڑکے کے ہاتھ سے کسی نے کڑے اتار لیے، بنیا اٹھا تو دیکھا کڑے ندارد۔ بس اس کی تو روح فنا ہوگئی۔ دیکھا کہ میاں جی بھی نہیں جن سے بات چیت ہو رہی تھی اس نے کہا ہو نہ ہو وہی لے گئے ہیں، یہ کوئی ٹھگ تھا۔ یہ سیدھا اسی راستے پر روانہ ہوا جس پر مولانا نے جانے کا ارادہ بیان کیا تھا، یہاں تک کہ مولانا اس کو مل گئے۔ اس نے جاتے ہی ایک دھول رسید کیا۔ مولانا نے کہا کیا ہے؟ اس نے کہا کڑے کہاں ہیں؟ مولانا نے کہا کہ بھائی میں نے تمہارے کڑے نہیں لیے۔ اس نے کہا کیا تو ان باتوں سے چھوٹ جائے گا، میں تجھے تھانے لے چلوں گا۔ آپ نے کہا کچھ عذر نہیں، میں تھانہ بھی چلوں گا۔ غرض وہ مولانا کو پکڑ کر جھنجھانہ کے تھانے میں پہنچا۔ اتفاقاً تھانے دار مولانا کا بڑا معتقد تھا، اس نے دیکھا کہ مولانا آ رہے ہیں تو کھڑا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر بنیئے کے ہوش خطا ہو گئے، ڈرا کہ اب جوتیاں پڑیں گی۔

مگر مولانا اس سے کہتے ہیں کہ بھاگ جا بھاگ جا، تجھے کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ تھانیدار نے مولانا سے پوچھا کہ کون تھا، کہا تم اس کو کچھ نہ کہو جانے دو اس کی کوئی چیز کھو گئی ہے اس کی تلاش میں آیا تھا۔ دیکھئے کیا بے نفسی ہے۔ لطف یہ کہ صرف عفو نہیں کیا بلکہ اس کے احسان مند بھی ہوئے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس سے بڑا فائدہ ہوا۔ جب لوگ مجھ سے مصافحہ کرتے ہیں، میرے ہاتھ پیر چومتے ہیں تو میں نفس سے کہتا ہوں تو وہی ہے جس کو بنئے نے دھول لگایا تھا۔ پس اس سے عُجب نہیں ہوتا۔ (حسن العزیز، ص ۲۳۹)

(جاری ہے)

# فضائلِ رمضان

(فضائل رمضان حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتہ للعالمین ذات نے مسلمانوں کے لئے ہر باب میں جس قدر فضائل اور ترغیبات ارشاد فرمائی ہیں اُن کا اصل شکریہ اور قدردانی تو یہ تھی کہ ہم ان پر مرمٹتے مگر ہماری کوتاہیاں اور دینی بے رغبتیاں اس قدر روز افزوں ہیں کہ ان پر عمل تو درکنار، ان کی طرف التفات اور توجہ بھی نہیں رہی۔ حتیٰ کہ اب لوگوں کو ان کا علم بھی بہت کم ہو گیا ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ مسلمانوں کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ کا بہت ہی بڑا انعام ہے مگر جب ہی کہ اس انعام کی قدر بھی کی جائے ورنہ ہم سے محروموں کے لئے ایک مہینہ تک رمضان رمضان چلائے جانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ رمضان کیا چیز ہے تو میری اُمت یہ تمنا کرے کہ سارا سال رمضان ہی ہو جائے۔ ہر شخص سمجھتا ہے کہ سال بھر کے روزے رکھنے کارے دارد، مگر رمضان المبارک کے ثواب کے مقابلہ میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوگ اس کی تمنا کرنے لگیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ رمضان المبارک کے روزے اور ہر مہینے میں تین روزے رکھنا دل کے کھوٹ اور وساوس کو دور کرتا ہے۔ آخر کوئی بات تو ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رمضان کے مہینے میں جہاد کے سفر میں باوجود نبی کریم ﷺ کے بار بار افطار کی اجازت فرما دینے کے روزہ کا اہتمام فرماتے حتیٰ کہ حضور ﷺ کو حکماً منع فرمانا پڑا۔

مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ ایک غزوہ کے سفر میں ایک منزل پر اترے۔ گرمی نہایت سخت تھی اور غربت کی وجہ سے اس قدر کپڑا بھی سب کے پاس نہ تھا کہ دھوپ کی گرمی سے بچاؤ کر لیں۔ بہت سے لوگ اپنے ہاتھ سے آفتاب کی شعاع سے بچتے تھے۔ اس

حالت میں بھی بہت سے روزے دار تھے، جن سے کھڑے ہو سکنے کا تحمل نہ ہوا اور گر گئے۔ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت گویا ہمیشہ تمام سال روزے دار ہی رہتی تھی۔

ابو ہریرہؓ نے حضورِ اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ میری امت کو رمضان شریف کے بارے میں پانچ چیزیں مخصوص طور پر دی گئی ہیں جو پہلی امتوں کو نہیں ملی ہیں۔

۱۔ یہ کہ ان کے منہ کی بدبو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے،

۲۔ یہ کہ ان کے لئے دریا کی مچھلیاں تک دعا کرتی ہیں اور افطار کے وقت تک کرتی رہتی ہیں،

۳۔ جنت ہر روز ان کے لئے آراستہ کی جاتی ہے پھر حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ قریب ہے کہ میرے نیک بندے (دنیا کی) مشقتیں اپنے اوپر سے پھینک کر تیری طرف آویں،

۴۔ اس میں سرکش شیاطین قید کر دئے جاتے ہیں کہ وہ رمضان میں ان برائیوں کی طرف نہیں پہنچ سکتے جن کی طرف غیر رمضان میں پہنچ سکتے ہیں،

۵۔ رمضان کی آخری رات میں روزہ داروں کے لئے مغفرت کی جاتی ہے۔

صحابہؓ نے عرض کیا کہ یہ شبِ مغفرت شبِ قدر ہے۔ فرمایا نہیں بلکہ دستور یہ ہے کہ مزدور کو کام ختم ہونے کے وقت مزدوری دے دی جاتی ہے۔

حضرت عبادہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے رمضان المبارک کے قریب ارشاد فرمایا کہ رمضان کا مہینہ آگیا ہے جو بڑی برکت والا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس میں تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنی رحمتِ خاصہ نازل فرماتے ہیں، خطاؤں کو معاف فرماتے ہیں، دعا کو قبول کرتے ہیں، تمہارے تنافس (تنافس اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کی حرص میں کام کیا جائے اور مقابلہ پر دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کام کیا جائے) کو دیکھتے ہیں اور ملائکہ سے فخر کرتے ہیں پس اللہ کو اپنی نیکی دکھلاؤ۔ بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینہ میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جاوے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ رمضان المبارک کی ہر شب و روز میں اللہ کے یہاں

سے (جہنم کے) قیدی چھوڑے جاتے ہیں اور ہر مسلمان کے لئے ہر شب و روز میں ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

بہت سی روایات میں روزے دار کی دعا کا قبول ہونا وارد ہوا ہے۔ بوض روایات میں آتا ہے کہ افطار کے وقت دعا قبول ہوتی ہے مگر ہم لوگ اس وقت کھانے پر اس طرح گرتے ہیں کہ دعا مانگنے کی تو کہاں فرصت، خود افطار کی دعا بھی یاد نہیں رہتی۔

درمنثور میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے، جب رمضان آتا تھا تو نبی کریم ﷺ کا رنگ بدل جاتا تھا اور نماز میں اضافہ ہو جاتا تھا اور دعا میں بہت عاجزی فرماتے تھے اور خوف غالب ہو جاتا تھا۔ دوسری روایت میں فرماتی ہیں کہ رمضان کے ختم تک بستر پر تشریف نہیں لاتے تھے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ اُن کو روزہ کے ثمرات میں بجز بھوکا رہنے کے کچھ بھی حاصل نہیں اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں کہ اُن کو رات کے جاگنے (کی مشقت) کے سوا کچھ بھی نہ ملا۔

علماء کے اس حدیث کی شرح میں چند اقوال ہیں اول یہ کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو دن بھر روزہ رکھ کر مالِ حرام سے افطار کرتا ہے کہ جتنا ثواب روزہ کا ہوا تھا اس سے زیادہ گناہ حرام مال کھانے کا ہو گیا اور دن بھر بھوکا رہنے کے سوا کچھ نہ ملا۔

دوسرے یہ کہ وہ شخص مراد ہے جو روزہ رکھتا ہے لیکن غیبت میں مبتلا رہتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ روزہ کے اندر گناہ وغیرہ سے احتراز نہیں کرتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات جامع ہوتے ہیں یہ سب صورتیں اس میں داخل ہیں اور ان کے علاوہ بھی۔ اسی طرح جاگنے کا حال ہے کہ رات بھر شب بیداری کی مگر تفریحاً تھوڑی سی غیبت یا کوئی اور حماقت بھی کر لی تو وہ سارا جاگنا بیکار ہو گیا۔ مثلاً صبح کی نماز ہی قضا کر دی یا محض ریا اور شہرت کے لئے جاگا تو وہ بیکار ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یـا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدْ خَلَقْنَاالْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍمِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً
فِیْ قَرَارٍمَکِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَاالنُّطْفَةَعَلَقَةًفَخَلَقْنَاالْعَلَقَةَمُضْغَةً
فَخَلَقْنَاالْمُضْغَةَعِظٰماًفَکَسَوْنَاعِظٰمَ لَحْماً ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰهُ خَلْقاً اٰخَرَفَتَبٰرَکَ اللّٰهُ
اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنِ o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰالِحِیْنِ o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًاوَّ اَنْتَ
خَیْرُالْوَارِثِیْن o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَةً طَیِّبَةً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَهَبُ
لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثاوَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰهِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ
عَلَیْهِ وَسَلَّمْ وَ اَهْلِ
بَیْتِ الْعِظَّام.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

یـا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدْ خَلَقْنَاالْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍمِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً
فِیْ قَرَارٍمَکِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَاالنُّطْفَةَعَلَقَةًفَخَلَقْنَاالْعَلَقَةَمُضْغَةً
فَخَلَقْنَاالْمُضْغَةَعِظٰماًفَکَسَوْنَاعِظٰمَ لَحْماً ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰهُ خَلْقاً اٰخَرَفَتَبٰرَکَ اللّٰهُ
اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنِ o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰالِحِیْنِ o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًاوَّ اَنْتَ
خَیْرُالْوَارِثِیْن o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَةً طَیِّبَةً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَهَبُ
لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثاوَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰهِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ
عَلَیْهِ وَسَلَّمْ وَ اَهْلِ
بَیْتِ الْعِظَّام.